© rasailojaraid.com

عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں

محرکات، مسائل اور مقاصد

(۴)

از : جناب ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی، استاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ابن سعد کی روایت ان کے استاد واقدی کی روایت کی تلخیص ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے یہاں شرکاء مہم کی تعداد بارہ ہی بتائی گئی ہے اور نامہ نبوی کی عبارت کی جگہ ان کے اپنے الفاظ میں کاروان قریش (عیر قریش) پر نظر رکھنے کے حکم کی طرف اشارہ ہے[۱۰۰]۔ بلاذری کی روایت بھی واقدی کی روایت کا چربہ ہے لیکن کچھ فرق کے ساتھ۔ ایک تو فرق یہ ہے کہ اس میں حکم بن کیسان کو بھی محلوق بتایا گیا ہے، دوم نامہ نبوی کے اصل فقرے میں فعل مختلف ہے اور فاہ صد بھا عیر قریش کے الفاظ ہیں۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ شہر حرام میں جنگ وجدال کے بارے میں استفسار جس کی طرف قرآن کریم کی متعلقہ آیت میں حوالہ ہے مسلمانوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا[۱۰۱]۔ یعقوبی کی روایت ابن اسحاق کی روایت کا اختصار ہے[۱۰۲]۔ طبری نے تین روایات بیان کی ہیں اس سلسلہ میں[۱۰۳]۔ اوّل تو ابن اسحاق کی روایت ہے جو پوری اور مفصل ہے، دوم واقدی کا صرف ایک مختصر حوالہ ہے، اور تیسری روایت سُدّی کی ہے جو مذکورہ بالا دونوں قسم کی روایتوں سے کافی مختلف ہے[۱۰۴]۔ اس تیسری روایت کے مطابق نخلہ کی مہم میں کل سات نفر تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان میں عمار بن یاسر اور عامر بن فہیرہ کے دو نئے نام ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن جحش نے جس جگہ نامۂ مبارک پڑھا تھا اس کا نام بطن ملل یا وادی ملل بتایا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو موت کے لیے تیار رہنے اور وصیت کر لینے کی ہدایت بھی کی تھی۔ مکی کارواں کے شرکا کی تعداد چار ہی بتائی گئی ہے اور ایک کے سوا سب کے نام بھی دوسروں کی طرح ہیں۔ نیا نام مغیرہ بن عثمان ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہی شخص مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچ نکلا تھا۔ ایک نیا فرق یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر کافروں نے رجب میں قتل و خونریزی کرنے کا الزام لگایا اور لعن طعن کیا تھا تو مسلمانوں نے اپنے جواب میں تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ مہینہ جمادی الآخر کا تھا۔ ابو جعفر کی روایت کے مطابق پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو امیر سریہ بنا کر بھیج دیا تھا مگر پھر ان کو واپس بلا کر حضرت عبداللہ بن جحش کو ان کی جگہ امیر سریہ مقرر کر کے روانہ کیا تھا۔

جدید مغربی مورخین نے خاص طور پر اور عام جدید مصنفین نے عام طور سے اس سریہ پر کافی بحث کی ہے اور مسلمانوں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشی کارواں پر ماہ مقدس میں مال و دولت کی حرص و ہوس میں غدارانہ حملے کا مورد الزام قرار دیا ہے۔ کارل بروکلمن (CARL BROCKELMANN —) کا خیال ہے کہ مسلم مہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ماہ مقدس کی بے حرمتی کر کے ایک مالا مال کارواں کو لوٹ لیا کیونکہ مکی کارواں کے محافظ ماہ مقدس کی وجہ سے اس کے تحفظ کی طرف مطمئن تھے لیکن اس قبائلی اخلاقی ضابطہ کی اس خلاف ورزی پر جب خود مدینہ میں ایک طوفان ناراضگی اُٹھ کھڑا ہوا تو رسول نے حملہ کرنے کا حکم دینے کی واقعیت سے انکار کر دیا حالانکہ اس کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ حملہ آپ کی خواہشات کے مطابق ہوا تھا اور بعد میں آپ کی تردید یا انکار آپ کے اپنے احکام کی غلط تعبیر و تشریح تھی۔ لیکن جب کثیر مال غنیمت نے آپ میں شدید حرص پیدا کر دی تو آپ نے ایک بعد کی آیت منزلہ میں کافروں کے خلاف اعلان جہاد کرنے، اور مال غنیمت کی تقسیم اور ماہ مقدس میں جنگ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواز کا اعلان کرنے کی جرأت کی۔[105] فرانسسکو جبرئیلی (FRANCESCO GABRIELI) نے اس مہم کو مدینہ کی کثیر آبادی کی مادی ضروریات پوری کرنے کے عوامل کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے اس کو ایک غدارانہ حملہ بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس نے صلح کے زمانے کا خاتمہ کر دیا اور جس کے نتیجہ میں مکہ میں شدید ردعمل ہوا اور مدینہ میں بھی خاصی بے چینی پیدا ہوگئی۔[106] مونٹگمری واٹ نے ان سب میں سب سے طویل بحث کی ہے[107] اور تقریباً انھیں خیالات کا اظہار کیا ہے جن سے ہمارا سابقہ اگلے صفحات میں پڑے گا۔ ماٰخذ کی مختلف روایات اور مغربی مورخین کی شدید بحث میں سریہ نخلہ کی اصل نوعیت اجاگر نہیں ہوتی۔ اس لیے تاریخی دیانت کا تقاضا ہے کہ اس پر مفصل بحث کی جائے تاکہ اس متنازعہ فیہ آخری سریہ کے محرکات، مسائل اور مقاصد تاریخی حقائق کی روشنی میں واضح ہو سکیں۔

بحث کا آغاز اس نکتے سے کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم کا محرک و مقصد کیا تھا؟ اور کیا ماخذ سے وہ نتیجہ نکلتا ہے جو جدید مغربی مورخین نے نکالا ہے؟ ہم اوپر ماٰخذ کی بیان کردہ روایات میں دیکھ چکے ہیں کہ ماخذ کو دو طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک طبقہ ابن اسحاق، ابن ہشام، یعقوبی، طبری اور ابن اثیر پر بنیادی طور سے مشتمل ہے جن کے مطابق سریہ نخلہ کا مقصد و محرک قریش کے آئندہ ارادوں، منصوبوں، اور کارروائیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا۔ دوسرا طبقہ واقدی، ابن سعد، اور بلاذری پر مشتمل ہے اور ان کے مطابق اس کا مقصد کسی قریشی کارواں پر نظر رکھنا تھا۔ ان دونوں طبقات کا نقطۂ نظر درحقیقت نامۂ نبوی کی عبارت پر منحصر ہے۔ یہ دلچسپ اور اہم حقیقت ہے کہ مختلف ماٰخذ میں نامۂ نبوی کی عبارت مختلف انداز میں نقل ہوئی ہے۔ نقلی اختلافات تو اتنے زیادہ اہم نہیں ہیں کیونکہ ان سے اصل معنی و مفہوم پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا ہے البتہ بعض الفاظ اور فقروں کی موجودگی اور حذف سے صورت حال خاصی مختلف اور پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ پہلے طبقہ کے مطابق سریہ نخلہ کے مجاہدین کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ نخلہ جائیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وہاں قریش پر نظر رکھیں اور مسلمانوں کے لیے ان کی خبریں فراہم کریں۔ جبکہ دوسرے طبقہ کے مطابق ان کو کسی خاص کاروان قریش پر نظر رکھنی تھی۔ چنانچہ ان کے یہاں پہلے طبقہ کی نقل کردہ عبارت کا آخری فقرہ "وتعلم لنا من اخبارھم" (ہمارے لیے ان کی خبریں حاصل کرو) نہیں ہے۔ جبکہ پہلے ٹکڑے میں ترصد بھا قریشا (قریش پر نظر رکھو) کی جگہ ترصد بھا عیر قریش (قریش کے کارواں پر وہاں نگاہ رکھو) والا فقرہ پایا جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں عبارتوں میں سے کون سی عبارت زیادہ صحیح ہے؟ تاریخی اصولوں اور تاریخ نویسی کے قواعد کا تقاضا تو یہی ہے کہ اختلاف و تضاد کی صورت میں قدیم ترین روایت کو ترجیح حاصل ہو۔ چنانچہ اس بناپر ابن اسحاق اور ان کے متبعین کی روایت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ ان کے حق میں یہ بات بھی جاتی ہے کہ اکثر مورخین ان ہی کی روایات سے اتفاق کرتے ہیں۔ اس لیے بنیادی طور پر اس سریہ کا مقصد قریش کے ارادوں پر نظر رکھنا اور ان کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ہی قرار پاتا ہے۔

پھر اگر واقدی اور ان کے ہمنوا مورخین کی روایت کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی خاص مکی کارواں پر نظر رکھنے کی ہدایت مہم والوں کو دی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں دو نکتے ابھرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے کون سا کارواں مراد تھا؟ طائف سے مکہ آنے والا کارواں جس پر مجاہدین نخلہ نے چھاپہ مارا تھا یا کوئی اور؟ بیشتر جدید محققین نے اس سے یہی مراد لیا ہے کہ نامۂ نبوی میں نخلہ کے کارواں کی طرف اشارہ تھا۔ مونٹگمری واٹ نے اس نکتہ پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کارواں کے اس راستہ سے نخلہ سے گذرنے کا علم تھا کہ نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کو اس کارواں کے نخلہ سے گذرنے کا علم تھا لیکن وقت و تاریخ کے بارے میں یقین نہ تھا۔ غالباً وہ کچھ مدت بعد گذرنے والا تھا لیکن کسی وجہ سے وہ کارواں وقت سے پیشتر آ نکلا تھا اس لیے آپ کے تمام اندازے غلط ہو گئے اور مسلمان مجاہدین کو مجبوراً ماہ مقدس میں حملہ کرنا پڑا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرا امکان مونٹگمری واٹ کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کو اس کارواں کے گذرنے کا علم نہ رہا ہو بلکہ آپ نے عمومی امکان کو مدنظر رکھ کر ہدایت دی ہو کہ اس نسبتاً محفوظ راستے پر کارواں عموماً گذرتے ہی رہتے ہیں۔ غالباً آپ کو یہ خیال تھا کہ شامی شاہراہ تجارت کے مقابلے اس مقامی شاہراہ پر کارواں کے ساتھ محافظ بھی کم ہوں گے۔[۱۰۸] واٹ کی یہ دلیلیں تسلیم کرنے میں کئی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اوّل یہ کہ مکّہ سے اتنی دور مدینہ میں بیٹھ کر آپ کو نخلہ سے کسی مخصوص کارواں کے کسی مخصوص تاریخ کو گذرنے کا علم ہونا ناممکن نہیں مگر محال ضرور تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو علم کیونکر ہوا ہوگا؟ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ مسلم جاسوسوں کے ذریعہ یا کسی مسافر کے ذریعہ۔ مسافر کا ذریعہ قطعیت کے ساتھ خبر فراہم کرنے کا وسیلہ نہیں بن سکتا۔ جہاں تک مسلم جاسوسوں کا تعلق ہے تو اوّل تو یہ ناممکن نظر آتا ہے کہ مرکز اسلام سے اتنی دور اور ان کی جولان گاہ رہی ہو اور اگر مکی مسلمانوں کے امکان کو مدنظر رکھ کر یقین بھی کر لیا جائے تو پچھلے چھ تجربات کی روشنی میں اس کی واقعاتی تردید ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جدید مورخین کے خیال کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اپنی زیر کمان یا آپ کی بھیجی ہوئی مہیں محض اس بنا پر اکثر حالات میں ناکام رہی تھیں کہ ان کو قریشی کارواؤں کے گذرنے کی صحیح تاریخ اور وقت کا علم نہیں تھا۔ پھر اگر اپنے زیر اثر علاقے اور قریبی شاہراہ سے گذرنے والے قافلوں کا وقت گذر مسلم جاسوس معلوم کرنے میں کامیاب نہیں رہے تھے تو اتنی دور کے کسی قافلے کے گذرنے کے وقت کا حتمی علم ان کو کیونکر ہو سکتا تھا؟ جہاں تک کارواؤں کے عمومی امکان کا تعلق ہے یہ خاصا اہم اور وزنی امکان ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے کسی قریشی کارواں پر صرف نظر رکھنے سے مسلمانوں کا بھلا ہو سکتا تھا؟

چنانچہ جدید مغربی مورخین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہدایت نبوی میں قریشی کارواں پر نظر رکھنا یا نگرانی کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ اصل مقصد ان پر چھاپہ مارنا تھا اور مال غنیمت حاصل کرنا تھا۔ اور اسی بنا پر ان مورخین کے نزدیک ترصّد کے معنی نگاہ رکھنے یا نگرانی کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بجائے گھات لگانے کے ہیں۔ واٹ نے مزید تحقیق یہ کی ہے کہ لفظ ترصّد کے معنی گھات لگانے کے بجائے نگرانی کرنے کے قرار دینے کے لیے بعض روایتوں میں تعلم لنا من اخبارھم (یعنی ان کی خبریں ہمارے لیے معلوم کرو) کا فقرہ الحاقی ہے جو بعد میں راویوں نے جوڑ دیا ہے[۱۰۹]۔ لیکن واٹ کی یہ تحقیق عربی صرف و نحو کے قواعد اور تاریخی اصولوں کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔ لغوی اعتبار سے کسی بھی قاموس و لغت سے ثابت نہیں ہوتا کہ نامۂ نبوی کی منقولہ عبارت میں لفظ ترصّد کے معنی گھات لگانے اور چھاپہ مارنے کے ہوتے ہیں۔ تمام لغات کیا قدیم کیا جدید، اس پر متفق ہیں کہ اس لفظ کے معنی نگرانی کرنے، امید کرنے، انتظار کرنے یا توقع کرنے کے ہیں[۱۱۰]۔ عربی نحو کے مطابق جب تک لفظ ترصّد کے لیے لِ کا صلہ نہ آئے اس وقت تک اس کے معنی گھات لگانے کے لیے نہیں بن سکتے[۱۱۱]۔

چنانچہ اس قاعدے کے مطابق واقدی وغیرہ کے یہاں عبارت ترصد بھا العیر قریش ہونا چاہیے تھی۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان راویوں کو ترصد اور ترصد لہ کا فرق نہ معلوم ہو۔ پھر اگر لفظ ترصد کے معنی نگرانی کرنے کے قرار دینے کے لیے ایک پورا فقرہ الحاق کیا جا سکتا تھا تو صرف ایک حرف کا اضافہ زیادہ آسان ہوتا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ جس روایت میں تعلم لنا من اخبارھم والا مبینہ الحاقی فقرہ موجود ہے اس میں لفظ عیر موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ فقرہ ابن اسحاق وغیرہ کی روایت میں موجود ہے جو کاروان قریش کی بجائے صرف قریش پر نظر رکھنے کی ہدایت نبوی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس فقرہ کے الحاقی ہونے کے ثبوت میں کوئی دلیل مورخ موصوف نے نہیں دی ہے۔ دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ الحاقی ہونے کا الزام "بعد" کی روایت پر لگانا تو قرین قیاس ہے لیکن ترتیب زمانی کے لحاظ سے کسی قدیم تر یا اولین روایت پر لگانا تو خلاف عقل ہی ہوگا۔ اس بنا پر یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ واقدی وغیرہ جو ابن اسحاق کے نصف صدی اور اس سے زیادہ مدت کے بعد ہوئے تھے بلا غور و فکر کیے اپنی روایتوں میں قریش سے پہلے لفظ عیر بڑھانے کے مرتکب ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، نہ کہ ابن اسحاق۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ واٹ نے لفظ ترصد کے معنی و مفہوم پر خاصی گفتگو کر ڈالی مگر اس نکتے کی طرف اشارہ تک نہ کیا۔ اور اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انھوں نے زہری اور یزید بن رومان کے واسطے سے عروہ بن زبیر کی اس معیاری روایت میں جو ابن اسحاق کے یہاں پہلی بار مذکور ہوئی ہے کسی کارواں پر گھات لگانے کا ذکر کیا ہے جبکہ اصل روایت میں قریش ہے، کاروانِ قریش نہیں۔(۱۱۲)

مورخ موصوف نے نامۂ رسالت کی عبارت سے گھات لگانے کے مفہوم کی مزید تائید اس دلیل سے فراہم کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سریہ کی ترتیب و تنظیم میں کافی احتیاط اور رازداری سے کام لیا تھا۔ آپ نے نہ صرف مجاہدین پر مہم کی منزل اور اس کے مقصد کو واضح نہیں کیا تھا بلکہ قائد سریہ کو ایک مہر بند خط عطا فرمایا تھا جس کے مضمون سے آپ کے علاوہ آپ کے کاتب اور غالباً ایک دو مشیروں کے سوا اور کوئی واقف نہ تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے مہم کو عام راستے کے بجائے نسبتاً ایک غیر معروف نجدی راستے سے جانے کی تاکید کی تھی۔ ان کا سفر تقریباً مشرقی سمت میں ہوا تھا جبکہ منزلِ مقصود تقریباً بالکل مکہ کے جنوب میں تھی۔ بلاشبہ آپ نے یہ ساری احتیاط و رازداری صرف اس لیے برتی تھی کہ آپ مکیوں کے جاسوسی نظام کو اپنے اصل ارادوں کے بارے میں تاریکی میں رکھنا چاہتے تھے۔ غالباً آپ کی بعض سابقہ مہمیں صرف اس لیے ناکام رہی تھیں کہ ان کے مقاصد کا علم دشمن کو ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ مہم مدینہ کے بجائے مکہ کے زیادہ قریبی علاقے میں جا رہی تھی اس لیے اس کے منصوبہ کے دشمنوں کی نظر میں آجانے کی صورت میں شرکائے مہم کی زندگی خطرہ میں پڑ سکتی تھی۔(۱۱۳)

بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ اگر اس مہم کے بارے میں دشمن کو ذرا بھی پتہ لگ جاتا یا سن گن مل جاتی تو نہ صرف ان مسلمان مجاہدین کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جاتا بلکہ اس مہم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ لیکن آپ کے محتاط اور رازدارانہ اقدامات سے یہ مفہوم کیونکر نکلتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مہم کا مقصد چھاپہ مار کارروائی تھا۔ چاہے ابن اسحاق کا نقطۂ نظر تسلیم کیا جائے چاہے واقدی کا۔ دونوں صورتوں میں یہ واضح ہوتا ہے کہ ساری احتیاط اور رازداری کے پیچھے یہ مقصد کارفرما تھا کہ قریش کو اپنے اتنے قریب ایک مسلمان مخبر جماعت یا طلیعہ کی موجودگی کا علم نہ ہونے پائے اور اگر ان کو علم ہو جاتا تو پھر اس صورت میں مسلمان مجاہدین نہ تو قریش کے بارے میں خبریں حاصل کر سکتے اور نہ ان کی نگرانی کر کے انکے اصل ارادوں پر نظر رکھ سکتے اور نہ ہی قریش کے مخصوص کارواں کی کارروائیوں، مقاصد اور تیاری وغیرہ پر نظر رکھ سکتے۔ مزید خود ان کا تحفظ ذاتی خطرہ میں پڑ جاتا۔ اس لئے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ نخلہ میں قیام کر کے قریش یا کاروان قریش کے بارے میں خبریں حاصل کرنے کے لئے بھی احتیاط اور رازداری کی اتنی ہی ضرورت تھی جتنی کہ کسی کارواں پر چھاپہ مارنے کے لیے۔

واٹ نے ایک دلیل یہ مزید دی ہے کہ نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد مسلم جماعت کو احکام نبوی پر عمل کرنے میں ہچکچاہٹ تھی اور وہ اس بنا پر نہیں تھی کہ ان کو تعمیل حکام کی صورت میں کسی قسم کی اخلاقی ضابطہ شکنی یا اپنی مہم کے اخلاقی پہلوؤں کے بارے میں کسی قسم کا احساس ستا رہا تھا۔ ان کی جھجک بلاشبہ اس مہم میں مضمر واضح خطرہ کے سبب تھی۔ کیونکہ عرب خون جوش کھا جانے پر عاقبت نا اندیش حد تک شجاعت کا مظاہرہ کر سکتا ہے، لیکن عام حالات میں اپنے پورے ہوش و حواس کی درستگی کی صورت میں وہ گمبھیر خطرات سے حتی الامکان گریز کرتا ہے۔ بلاشبہ اسی بنا پر امیر سریہ کو ہدایت نبوی تھی کہ وہ صرف اس منصوبہ کے حامی اصحاب کے ساتھ کارروائی کریں۔ اور جو اصحاب اس سے پوری طرح متفق نہ ہوں، ان کو واپس مدینہ بھیج دیں۔ واٹ نے اس سلسلہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور ان کے ہم سفر و ہم رکاب ساتھی حضرت عتبہ بن غزوان کے معاملہ کو پیش کیا ہے۔ ان کا اخذ کردہ نتیجہ یہ ہے کہ اونٹ

© rasailojaraid.com

کے گم ہو جانے اور اس کی تلاش میں ان کے قافلے سے بچھڑ جانے کی کہانی انہوں نے مہم کی کامیاب مدینہ واپسی کے کئی دنوں بعد مدینہ پہنچ کر سنائی تھی۔ واٹ کا کہنا ہے کہ ان کا یہ کہانی بیان کرنا ایک واقعہ ہو سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کہانی صحیح ہی تھی۔ اور ایک روایت تو یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ کہانی صحیح نہیں تھی (۱۴۴)۔ ان دونوں نے یقیناً کافی وقت ضائع کیا تھا اور یہ عجیب بات ہے کہ یہ واقعہ بنو سُلیم کے علاقے میں ہوا تھا۔ جو عتبہ بن غزوان کی ولادت کا علاقہ بھی تھا (۱۴۵)۔ مونٹگمری واٹ نے اس سلسلہ میں ان دونوں اصحاب پر صرف اسی مہم میں بزدلی کا الزام نہیں لگایا ہے بلکہ حضرت سعد کو خاص طور سے نشانہ بناتے ہوئے ان کو جنگ قادسیہ میں بھی دون ہمتی کا طعنہ صرف اس بنا پر دیا ہے کہ اس جنگ میں انہوں نے مسلم فوج کی کمان بیماری کے سبب ساقہ لشکر میں ایک پالکی میں بیٹھ کر کی تھی۔ غالباً ان دونوں مواقع پر ان کی دون ہمتی پر پردہ ڈالنے کے لئے اس روایتی مواد کو حقیقت کا روپ دیا گیا ہے جس کے مطابق حضرت سعد کے شرف میں یہ روایت گڑھی گئی کہ انہوں نے اسلام کی راہ میں پہلا تیر چلایا تھا۔ اس پہ مہم نخلہ میں واقد بن عبداللہ تمیمی کے ہاتھوں عمرو بن حضرمی کے قتل کے واقعہ سے کہیں زیادہ زور دیا گیا ہے حالانکہ یہ صحابی اسلام میں پہلے قتل کرنے والے کا شرف رکھتے تھے۔ واٹ کا خیال ہے کہ یہ فرق غالباً اس لئے روا رکھا گیا ہے کہ حضرت واقد خلافت فاروقی کے آغاز میں وفات پا گئے تھے اور ان کے جانشین [illegible] تھے۔ جبکہ حضرت سعد مزید چالیس برس تک زندہ رہے تھے اور نہ صرف یہ وہ امت کے ایک سربرآوردہ اور اہم فرد تھے بلکہ ان کے کافی تعداد میں اخلاف تھے۔ اور حضرت سعد کے کارناموں کے بارے میں جو زیادہ روایات [illegible] بعض تضادات بھی ہیں یا تو خود ان سے مروی ہیں یا ان کے خاندان کے

© rasailojaraid.com

بہرحال واٹ کی مراد صرف اتنی سی ہے کہ حضرت سعدؓ اور ان کے ہم سفر نے بزدلی کا ثبوت دیا تھا کیونکہ وہ مہم نخلہ کے خطرات سے واقف تھے اور منصوبہ سے متفق نہ ہونے کے سبب جان بوجھ کر پیچھے رہ گئے تھے اور اس سے ان کے نزدیک پوری جماعت کی ہچکچاہٹ اور پس وپیش ثابت ہوتا ہے (۱۱۶)

اب ذرا ماخذ پر نظر ڈالی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کیا مسلم جماعت مجاہدین کی جھجک کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ بلاشبہ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد اپنے اصحاب سے کہا تھا کہ "رسول کریمؐ نے مجھے نخلہ جاکر وہاں قریش کی خبریں معلوم کرنے کی ہدایت کی ہے اور مجھ کو تم میں سے کسی پر جبر وزور، زبردستی کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ تم میں سے جس کسی کو تمنائے شہادت ہو وہ آگے ساتھ چلے اور جس کو نہ ہو وہ واپس چلا جائے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں تعمیل حکم کرنے جا رہا ہوں" چنانچہ وہ روانہ ہوگئے، اور اسی طرح ان کے تمام ساتھی بھی چل پڑے اور ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں ہٹا۔ وہ حجاز کے راستے چلتے رہے، یہاں تک بحران نامی کان کے علاقے میں پہونچے اور جہاں بعد میں دو اصحاب کا اونٹ گم ہوگیا اور وہ اس کی کھوج میں پیچھے رہ گئے اور باقی جماعت نخلہ جا پہونچی" (۱۱۷) ابن اسحاق کے اس بیان سے مسلم جماعت میں سے کسی ایک کے بھی پیچھے ہٹنے، دون ہمتی دکھانے یا پس وپیش کرنے کی طرف ذرا سا اشارہ اور اشارہ تک نہیں ملتا۔ پھر اگر دو صحابیوں کے اونٹ کی تلاش کے بہانے پیچھے رہ جانے کو بفرض محال ان کی بزدلی سے تعبیر بھی کرلیا جائے تو اس سے پوری جماعت کی ہچکچاہٹ کہاں ثابت ہوتی ہے جماعت کے دو ارکان اس دعوے کے مطابق ہمت ہار گئے تھے بقیہ چھ یا دس یا نو اصحاب تو بلا تامل نخلہ جا پہونچے تھے۔ پھر ایک اہم نکتہ یہ بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نامۂ مبارک پڑھنے کے معًا بعد ان دونوں پیچھے رہ جانے والے اصحاب نے پس و پیش نہیں کیا تھا بلکہ وہ اس کے بعد بھی مہم کے ساتھ رہے تھے اور بحران کے علاقہ میں جہاں بقول واقدی انھوں نے اپنے اونٹ چرنے کے لئے کھول دیئے تھے وہ قافلہ سے بچھڑ گئے تھے۔ (۱۸) گویا کہ انھوں نے پس و پیش کا مظاہرہ فورًا نہیں کیا تھا بلکہ کچھ سوچ سمجھ کر اور منصوبہ بندی کر کے کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ امیر سریہ نے ان کو بخوشی اجازت دے دی تھی۔ پھر ان کو تھوڑی دور جا کر منصوبہ بندی کے تحت بہانہ بنانے اور پیچھے رہ جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے علاوہ مدینہ واپس آکر ان کو اپنے پیچھے رہ جانے کی کہانی بنانے کی کیا حاجت تھی، کسی سے اس سلسلہ میں تو کوئی مواخذہ ہونے والا نہیں تھا، کیونکہ انھوں نے محض اجازت نبوی سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اور یہ رعایت تو ان کو اخلاق، قانون اور ہر طرح کے روایتی ضابطہ کی رو سے حاصل تھی۔ اس طرح ان دلیلوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں صحابیوں کی کہانی محض واقعہ نہیں تھی بلکہ صحیح بھی تھی۔ اس کی تائید واقدی اور ان کے پیرو مورخین کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ اگرچہ اصحاب مہم میں سے کسی کو مجبور نہ کرنے کا فقرہ واقدی کے یہاں نامۂ مبارک کی عبارت کا جز ہے جب کہ ابن اسحاق کے یہاں حضرت عبداللہ بن جحش کی تقریر کا جو انھوں نے نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد اپنے ساتھیوں کے سامنے کی تھی۔ واقدی کی تائید میں ابن ابی حاتم کی روایت ملتی ہے جو ابن کثیر نے نقل کی ہے اور جو جندب بن عبداللہ کی سند پر بیان ہوئی ہے جبکہ باقی تمام روایات زیادہ تر ابن اسحاق کی تائید میں ہیں۔ اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ابن اسحاق کے مطابق نبی کریم ؐ نے اپنی زبانی ہدایات میں کسی کو مجبور نہ کرنے کی ہدایت بھی دی ہوگی لیکن اگر واقدی وغیرہ کے نقل کردہ مبارک نامے کی عبارت ہی کو معیاری مان لیا جائے تو بھی کسی کی جھجک کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ جہاں تک ان کے متفقین کے مدینہ واپس بھیجے جانے کے واٹ کے دعویٰ کا تعلق ہے تو اس کی مذکورہ بالا کسی روایت سے تصدیق یا تائید نہیں ہوتی ہے طبری نے اپنی تفسیر میں محمد بن عبدالاعلیٰ الصنعانی کے واسطہ سے حضرت جندب بن عبداللہ کی ایک اور روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدمی لوٹ آئے تھے (۲۰) لیکن کہاں سے اور کب لوٹ آئے تھے اس کی تصریح نہیں ملتی ہے بہر حال بیشتر شواہد ثابت کرتے ہیں کہ مسلم جماعت کو خاص طور سے اور دوا فراد جماعت کو عام طور

© rasailojaraid.com